TADABUR-E-ULOOM-E-ISLAMIA RESEARCH JOURNAL (TUIRJ)
VOLUME 1 ISSUE 1 (JAN-JUNE 2023)
ISSN (Online): 2790-8879
ISSN (Print): 2790-8860

The principles of Sufism mentioned in Al-Abriz and their usage in contemporary times

الابریز میں مذکور اصول تصوف اور عصر حاضر میں استفادہ کی صورتیں

Muhammad Ramzan Saeedi
PhD Scholar, Department of Islamic and Arabic Studies, Government College University, Faisalabad. Email: ramzansaeedi44@gmail.com

Abstract

Acquiring the love of Allah is a sublime pleasure that surpasses all worldly luxuries and pleasures. When someone is blessed with God's love and the love of the Messenger of God, they experience such profound joy and contentment from divine power that they become oblivious to everything else and are absorbed in a state of inner peace. Worship, too, is meant to be pure and reserved solely for Allah Ta'ala. If any element of show or pretense enters into worship, it loses its sincerity and becomes mere display. Each person worships according to their capacity—some more, some less—but the worship that is accepted and beloved to Allah is marked by piety, sincerity, and genuine love for God. Our actions should always seek to please Allah. Similarly, patience plays a crucial role in an individual's social life. Throughout history, nations have faced both good and bad times. Nations that cannot endure difficult situations with courage are quickly destroyed, their legacy erased. In contrast, those that exhibit bravery and perseverance are rewarded with victory. In our own lives, we should adopt an attitude of gratitude, ensuring that our Lord is pleased with us and continues to bless us. By making gratitude a habit, it becomes as natural as breathing, and life can smile even amid challenges and hardships. In spirituality, kashf is a unique ability that allows the possessor to traverse the universe spiritually. Through kashf, one can encounter angels, prophets, and saints, whether with open or closed eyes, depending on the individual's spiritual status. The ultimate goal of human life is to reach the highest state of worship. However, beginners often experience intense depression and anxiety due to their initial entanglement in worldly relationships. Allah Almighty is pure and unmatched, making the path to divine connection challenging without guidance. A Perfect Peer, who is close to Allah and aware of the spiritual path, serves as a bridge between the seeker and the Divine. Such a guide helps individuals navigate their spiritual journey, bringing them closer to their desired relationship with Allah. When people form this relationship, they often become captivated by the spiritual truths and knowledge they receive, which are so profound that language fails to express them. Those who reach an exalted state of spiritual subsistence are filled with such profound insights and wisdom that words cannot capture their depth.

Keywords: Love of Allah , Love of the Messenger ,Worship, Sincerity, Kashf, Depression and anxiety, Relationship, Survival , Overflowing

تمہید:

دور حاضر چونکہ نفس پرستی کا دور ہے۔ لوگوں نے روحانی تقاضوں کو پس پشت ڈال کر مادی تقاضوں کو اختیار کر لیا ہے۔ اپنی رحانی تقاضوں کو باور کرانے کیلئے صوفیاء کرام دن رات کوشاں ہیں۔ صوفیاء کرام نے نہ صرف اسلام کی تعلیمات لوگوں کے سامنے رکھیں بلکہ خود ان تعلیمات پر عمل کر کے لوگوں کو دکھایا۔ جب لوگوں نے ان حضرات کو علمی میدان میں دیکھا تو ان صوفیاء کرام کی قدر کرنے لگے۔ چونکہ ان حضرات کے پاس اخلاص و محبت کی دولت وافر مقدار میں موجود تھی۔ اس لئے انہوں نے اس دولت کو بھٹکی ہوئی انسانیت میں باٹنا شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے لوگ ان کے مزید قریب ہوتے چلے گئے۔ انہی صوفیاء کرام میں سے ایک ہستی سید عبد العزیز دباغ الحسنی کی ہے جنھوں نے اپنی پوری زندگی تصوف کی حقیقی روح کو اجاگر کرنے اور اسکی ترویج واشاعت کیلئے وقف کر دی۔ اور انہوں نے اپنے ملفوظات الابریز" میں اصول تصوف کو بیان کیا کہ جن پر عمل پیرا ہو کر انسان دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

1۔ محبت الہیٰ

اللہ کی محبت ایمان کے لوازمات میں سے ہے، عقیدہ توحید اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک انسان اپنے رب کو ہر اعتبار سے محبوب نہ بنالے "محبت" کی "محبت" سے بڑھ کر وضاحت نہیں کی جاسکتی، اللہ کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں ہے۔ جو انسان کو ہر اعتبار سے محبوب ہو، اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو الوہیت اور عبادت کے لائق ہے، اور وہی کمال عاجزی انکساری اور محبت کا حقدار ہے اللہ تعالیٰ کی محبت کا معاملہ ہی کچھ اور ہے دل کو جتنی اپنے خالق سے محبت ہوتی ہے۔ کسی سے نہیں ہوتی اور کیوں نہ ہو؟ وہی اس کا خالق معبود، ولی، مولا، پروردگار مارنے، زندہ کرنے والا ہے، اس کی محبت میں نفسیاتی سکون، روحانی زندگی، دلی خوشی، قلبی غذا، عقل کے لیے نور، آنکھوں کی ٹھنڈک اور تعمیر باطن ہے۔ عقل مندوں کے ہاں اللہ کی محبت، اور اس کی ملاقات سے بڑھ کو کوئی چیز نہ انہیں لذت دیتی ہے اور نہ ہی محظوظ کر سکتی ہے۔

محبت کے معنیٰ:

امام ابوالحسن الشطنوفی الشافعی "بہجۃ الاسرار" میں محبت کے معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

محبوب سبحانی، قطب ربانی، عبد القادر جیلانی سے محبت کی نسبت سوال کیا گیا۔ تو فرمایا کہ وہ محبوب کی طرف سے دلوں میں ایک تشویش ہوتی ہے۔ پھر دنیا اس کے سامنے ایسی ہوتی ہے جیسے انگشتری کا حلقہ یا ماتم کا مجمع۔ محبت ایک نشہ ہے جس کے ساتھ ہوش نہیں ہوتی۔ ذکر ہے جس کے ساتھ محو نہیں۔ قلق ہے جس کے ساتھ سکون نہیں۔ اور ہر طرح سے ظاہر و باطن اضطرار سے محبوب کا خلوص ہونہ اختیار اور خلقی ارادہ سے ہونہ تکلیف کے ارادہ سے۔ محبت یہ ہے کہ غیر محبوب سے اندھا ہو جائے۔ عاشق لوگ ایسے مست ہوتے ہیں کہ اپنے محبوب کے مشاہد کے سوا ہوش میں نہیں آتے۔ وہ ایسے بیمار ہے کہ اپنے مطلوب کے ملاحظہ کے سوا تندرست نہیں ہوتے وہ ایسے حیران ہے کہ اپنے مولا کے بغیر ان کو محبت نہیں ان کے ذکر کے سوا اور کسی کا تذکرہ نہیں کرتے اس کے پکارنے کے سوا کسی اور کو جواب نہیں دیتے۔([1])

الابریز کی روشنی میں محبت الہیٰ:

احمد بن مبارک السلجماسی المالکی الابریز میں بیان فرماتے ہیں کہ:

کسی بھی عمل کے لیے خالص اللہ کے لیے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان سب سے پہلے اللہ کی صفات کے جلال و کمال اور اس کی کبریائی کی عظمت کا شعور حاصل کرنے کے بعد اس بات پر غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کتنی بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ اور پھر اسے اس بات کا احساس ہو کہ صرف اللہ کی ذات اس بات کی اہل ہے کہ اس کے حضور سر تسلیم خم کر دیا جائے۔

عاجزی وانکساری کے بغیر محبت الہی کا حق ادا نہ کر سکنا:

عاجزی وانکساری اختیار کی جائے۔ اس کیفیت میں انسان کے دل میں اپنے کسی ذاتی مقصد کے حصول کے لیے عبادت کا خیال نہیں آنا چاہیے۔ انسان کو اس بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پروردگار کی ہمیشہ عبادت کرتا رہے، اور یہ عبادت مشکل ترین عبادت ہو اور پھر اس شخص کی عمر بھی بے حد طویل ہو اس کی عبادت میں باقاعدگی ہو پھر بھی وہ اللہ کی عبادت کا حق ادا نہیں کر سکے گا۔ انسان ذاتی خواہش کے حصول کے لیے اللہ کی عبادت اس وقت کر سکتا ہے جبکہ وہ اللہ کے حقوق کی ادائیگی سے فارغ ہو چکا ہو۔ مگر یہاں تو یہ عالم ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا کوئی ایک حق بھی ادا نہیں کر سکتا جبکہ دیگر بے شمار حقوق بھی ابھی باقی ہے۔ تو اس عالم میں کوئی شخص اپنی ذاتی غرض کے حصول کے لیے کس طرح عبادت کر سکتا ہے۔

اہل جنت کا دنیا میں زائد محبت الہیٰ نہ کر سکنے کا افسوس کرنا:

(آپ نے فرمایا) جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے (اور انہیں مقام و مرتبہ کے مطابق) انہیں اللہ کی معرفت نصیب ہو گی تو اس وقت انہیں افسوس ہو گا۔ کہ انہوں نے اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری مزید کیوں نہیں کی۔

محبت الٰہی میں خاصیت:

حضرت عبداللہ بن مبارک اسلجماسی فرماتے ہیں کہ میری اس تمام گفتگو سے آپ حضرات کے سامنے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ اجر کے حصول کے لیے کوئی بھی نیک عمل کرنا انسان کو اللہ تعالی سے بے تعلق کر دیتا ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی سے دور ہو جاتا ہے۔ لہذا ایسا شخص اللہ تعالی کی بارگاہ سے اور دور ہو جاتا ہے۔ انسان اگر یہ سوچ کر اللہ کی عبادت کرے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا اہل ہے۔ تو اس کی عبادت میں کبھی بھی کوئی وسوسہ داخل نہیں ہو سکے گا۔(2)

محبت الہیٰ کے اصول:

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اپنے ایک میں لیکچر میں محبت الہیٰ کے اصول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۱۔ سرور و کیفیت ولذت نہ ہو تو بنالینا، طاری کرلینا اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہنا۔

۲۔ مولیٰ کی محبت ملنے کے لیے جو چیز اللہ کو پسند ہے اس پر اپنی پسندوں کو قربان کر دینا۔ یہ تو پتا ہے نہ اللہ کو کیا کیا پسند ہے۔ دھیان رکھا کریں کہ جہاں پہ اپنی پسند اور مولا کی پسند میں فرق نظر آئے وہاں پہ اپنی پسند قربان کر دے اور مولا کی پسند کو ترجیح دے۔ یہ چیز اللہ کی محبت کے قریب کر دے گی۔

۳۔ ہر وقت دل میں اللہ کے دیدار اور اس سے ملنے کی خواہش رکھنا، آرزو رکھنا مولیٰ کبھی تیرا دیدار نصیب ہو گا، کبھی تیری ملاقات نصیب ہو گی۔ یہ تڑپ خود محبت کی چنگاری کو بھڑکا دے گی۔

۴۔ کوئی مصیبت پریشانی، دکھ، ہر حال میں اللہ کی رضا میں راضی رہنا اور راضی رہنے کا مطلب صرف زبان کی خاموشی ہے کہ یہ کہنا ہم تو اللہ کی رضا پہ راضی ہے۔ دل ناراض ہے لیکن زبان راضی رہے۔ نہیں دل بھی راضی رہے اذیت محسوس ہی نہ ہو، تکلیف تکلیف ہی نہ لگے۔ شدت شدت ہی نہ لگے، تپش تپش ہی نہ لگے۔ جو بھی حال آئے دل اسی میں راضی رہے کہ بھیجا تو مولا نے ہے۔ اسے اللہ کی دین سمجھ کے راضی رہے۔

۵۔ اللہ کی محبت ہر وقت، ٹٹولے، تلاش کرے، کہ حضور ﷺ کی سنت کیا ہے؟ حضور ﷺ کا اسوہ کیا ہے؟ حضور ﷺ نے کھایا کیسے؟ پیا کیسے؟ حضور ﷺ بیٹھتے کیسے؟ بولتے کیسے؟ چلتے کیسے؟ لوگوں سے ملتے کیسے تھے ان کے تعلقات کیسے تھے حضور ﷺ کی زندگی کے شب و روز کے احوال و احباب کی پیروی کرے تقابی کرے تاکہ اللہ کی محبت مل سکے۔

۶۔ کثرت کے ساتھ، بڑی لذت کے ساتھ، بڑے فہم سے بڑے سرور سے تدبر سے انہماک سے کثرت سے قرآن کی تلاوت کرنا، قرآن کریم کو بس پیار سے دیکھنا، کھول کھول کہ دیکھنا زیارت کرنا پھر اس کو پڑھنا پھر اس کو سمجھنا اور سمجھ کر اس میں ڈوب جانا محبت الہی کی دلیل ہے۔

۷۔ ادائیگی فرائض کے بعد جتنا ہو سکے نوافل ادا کرنا۔

۸۔ اپنے دل کو مطالعہ کرنے والا بنانا اللہ کی صفتوں پر دھیان کرنا وغیرہ۔

۹۔ اللہ کے آپ کی زندگی میں جو احسان ہے، انعام ہے اس کی جو عنایات ہیں، شفقتیں ہیں آپ کچھ نہ تھے اس نے کچھ بنادیا اس پر مولا کا شکر ادا کرنا۔

۱۰ اجب کبھی ذکر کا وقت ہو، تلاوت کا وقت ہو، مناجات کا وقت ہو اللہ کو یاد کرنے کا وقت ہو تو کوشش کرے کہ خلوت نشینی اختیار کرے

۱۱۔ ہر عمل اور کام کو دیکھے کہ یہ میرے اور میرے محبوب کے درمیان دوری تو پیدا نہیں کر رہا جس چیز کو دیکھے کہ جو آپ کے دل اور اللہ کے درمیان فاصلہ پیدا کر رہی تو اسی لمحے اس کو ٹھوکر مار دیں۔

۱۲۔ نیک لوگوں کی محبت اختیار کرنا۔

یہ وہ اصول ہیں کہ جن کو اپنانے سے خدا کی محبت نصیب ہو گی اور اللہ پاک اپنی محبت سے نوازے گا۔(3)

محب الہی کی علامات:

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالباری بن عواض، ۱۱۱ الشبیٰ حفظہ اللہ ۲۶-جمادی الاولی-۱۴۳۴ کا خطبہ جمعہ میں محبت الہی کی علامات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

محبت الہی کی علامات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اللہ کے نیک بندوں سے محبت کی جائے۔

۲۔ اولیاءاللہ سے تعلق قائم کیا جائے۔

۳۔ بدکاروں سے دوری اختیار کی جائے۔

۴۔ فرائض کی ادائیگی میں مکمل جدوجہد کی جائے۔

۵۔ جس قدر دل میں حب الہی کی جڑیں مضبوط ہونگی یہ کام بھی اس قدر زیادہ ہوں گے۔(4)

2۔رضائے الہی

عمل کی مقبولیت حسن نیت پر ہے۔ اور حسن نیت کا نکھا اور کمال اللہ کی رضا سے ہے۔ اللہ تعالی کا کسی بندے سے راضی ہو جانا دراصل دنیا و آخرت کی سب سے بڑی دولت اور سب سے بڑا انعام ہے ۔یعنی رضائے الہی کے طلبگاروں کو کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی وہ صرف اور صرف اپنے رب کی رضا کے طلبگار ہوتے ہیں۔ انسان کا تقویٰ یہ ہے کہ اپنے نفس کو مار کر اپنی سوچ کو پاکیزہ رکھے اور اپنے ہر عمل کو اللہ کی رضا کے لیے کر دے۔ کسی بھی کام کو کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کو مکمل توجہ اور خلوص کے ساتھ کیا جائے۔ تب ہی اس کو اچھے طریقے سے نبھایا جا سکتا ہے اور اس کے فوائد سمیٹے جاسکتے ہیں۔

الابریز کی روشنی میں رضائے الہی:

احمد بن مبارک السلجماسی المالکی فرماتے ہیں کہ:

" میں نے حضرت عبد العزیز دباغ سے دریافت فرمایا، اگر کوئی شخص بغیر کسی تفریق کے تمام اہل ایمان سے محبت کرتا ہے تو پھر اللہ کی رضا کے لیے کسی سے دوستی یا دشمنی کا حکم کہاں جائے گا ؟ حالانکہ اس عمل کو ایمان کی شاخ قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے جب ہم کسی گناہ گار شخص سے نفرت کرنے کی بجائے اس سے محبت کریں گے تو گویا حکم خداوندی کی مخالفت کے مرتکب ہوں گے۔

حضرت عبد لعزیز دباغ نے جواب دیا:

ہمیں کسی گناہ گار کے عمل سے نفرت کرنی چاہیے۔ اس کے مومن وجود، پاکیزہ دل اور مستقل ایمان سے نفرت نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ اس کی محبت کو لازم کرنے والے امور مستقل ہے۔ جبکہ نفرت پیدا کرنے والا عمل عارضی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے اصولی طور پر اللہ کی رضا کے لیے ہر مومن سے محبت کرنی چاہیے۔

مثال:

جیسے ہم یوں محسوس کریں کہ ایک شخص کے لباس پر پتھر بندھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہمیں ان کے پتھروں سے الجھن ہو گی۔ لیکن اس کے وجود سے محبت ہو گی۔ شریعت نے ہمیں گناہ گار شخص سے اسی قدر نفرت کرنے کا حکم دیا ہے اسی لیے ہم کفار کی ذات اور ان کے افعال سے نفرت کرتے ہیں۔ لیکن گنہگار مومنوں کا حکم اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ ہمیں اس سے نفرت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اس فطرت کی بدولت اس کی ذات اور اللہ تعالی کی، رسالت، نبوت، آسمانی کتابوں، یوم آخرت، حشر و نشر، جنت و دزخ، صراط و میزان، فرشتوں تقدیر وغیرہ پر اس کے ایمان سے محبت کریں گے۔

اس لیے ہم اس کی ہر خوبی سے محبت کریں گے اور جب مذکورہ بلاخوبیاں اس میں پائی جاتی ہیں تو ان کے مقابلے میں کبھی بھی اس شخص کی نفرت ہمارے دل میں نہیں سما سکے گی۔ البتہ ہم صرف اس کے گناہوں سے نفرت کرتے ہوئے اس کے لئے دعائے خیر میں مشغول رہیں گے۔(5)

رضائے الہی کی فضیلت:

ارشاد خداوندی ہے:

وَعَدَ اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِیْنَ فِیْهَا وَمَسَاكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنَّاتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔

" اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے جنتوں کا وعدہ فرما لیا ہے جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ایسے پاکیزہ مکانات کا بھی (وعدہ فرمایا ہے) جو جنت کے خاص مقام پر سدا بہار باغات میں ہیں، اور (پھر) اللہ کی رضا اور خوشنودی (ان سب نعمتوں سے) بڑھ کر ہے (جو بڑے اجر کے طور پر نصیب ہو گی)، یہی زبردست کامیابی ہے۔"(6)

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری "تذکرے اور صحبتیں" میں حضرت ذوالنون مصری کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرت ذوالنون مصری نے فرمایا، کہ انسان پر مندرجہ ذیل باتوں کیوجہ سے تباہی آتی ہے۔

۱۔ اعمال صالحہ سے کوتاہی کرنا۔

۲۔ ابلیس کا فرمانبردار ہونا۔

۳۔ موت کو قریب نہ سمجھنا۔

۴۔ رضائے الہی کو چھوڑ کو مخلوق کی رضامندی حاصل کرنا۔

۵۔ اکابرین کی غلطی کو سند بنا کر ان کے فضائل پر نظر نہ کرنا اور اپنی غلطی کو ان کے سر تھوپنا۔(7)

3۔ صبر واستقامت کا بیان

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ انسانی معاشرے میں ہر انسان کا کردار اور انفرادی اور اجتماعی سطح پر مسلم ہے۔ ایمانیات، عبادات اور معاملات میں اسلام نے بڑی تفصیل سے احکامات وہدایات دی ہیں۔ اگر ہم آج اپنے روزمرہ کے معاملات کا بغور جائزہ لیں تو یہ بات ناقابل تردید ہوگی کہ ہمارے جملہ معاملات کا بیشتر حصہ دینی تعلیمات سے کوسوں دور ہے۔ ہم انفرادی یا اجتماعی سطح پر رحمانی راستے سے ہٹ کر شیطانی راہ پر گامزن ہیں۔ جس کی ایک بڑی دلیل ہماری انفرادی اور اجتماعیوں زندگیوں سے صبر، برداشت اور تحمل وبردباری کا رفتہ رفتہ ختم یا کم ہونا ہے۔ عدم برداشت ہماری ثانیہ بن چکی ہے۔ اس کی بڑی وجہ دین اسلام سے دوری ہے۔

الابریز کی روشنی میں صبر واستقامت کے بارے میں اولیاء کا طریقہ کار:

احمد بن مبارک السلجماسی المالکی بیان فرماتے ہیں کہ سیدی عبد العزیز دباغ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ:

اولیاء کرام میں ایک خصوصیت موجود ہوتی ہے۔ اگر لوگوں کو اس کے فوائد کا اندازہ ہو جائے تو وہ اس خصوصیت کے حصول کے لیے اپنا سب کچھ وارنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ وہ خصوصیت یہ ہے کہ جب تک ولی پر کوئی مصیبت نازل نہ ہو جائے وہ اس وقت تک ملول ودل گرفتہ نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اگر اسے اس بات کا یقین ہو کہ ایک لمحہ کے بعد اس پر ایک انتہائی شدید مصیبت نازل ہوگی تو پھر بھی لمحہ موجود میں اس مصیبت کی حیثیت ولی کے سامنے اس طرح ہوگی جیسے وہ موجود ہی نہیں۔ اگرچہ ولی آنے والی مصیبتوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کے کھانے، پینے، بولنے کے عام معمولات متاثر نہیں ہوتے تو گویا اسے اس مصیبت کے بارے میں کچھ پتہ ہی نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے اولیاء کرام اس بات سے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تصرف کا کوئی شخص احاطہ نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے تصرف کے ذریعے اس چیز کو نافذ کر دیتا ہے۔ جس کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ اسی طرح جس چیز کے بارے میں ولی دیکھ رہا ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ضرور رونما ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے تصرف کے ذریعے سے اسے رونما ہونے سے روک لیتا ہے۔ گویا اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کے تصرف کے مشاہدے میں مشغول رہتے ہیں جسے محدود نہیں کیا جا سکتا اور اس مشاہدے کے نتیجے میں ایسی راحت حاصل ہوتی ہے جس کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔(8)

4۔ شکر کا بیان

شکر ایک عزیم مقام ہے۔ اس کا درجہ انتہائی بلند ہے۔ یہ بندے کی ان صفات میں سے ایک ہے جو باعث نجات بھی ہے اور آخروی اجر کا موجب بھی، نعمت کی قدرشناسی تین طریقوں سے ہو سکتی ہے۔ دل سے، زبان سے، اور اعضاء سے یعنی دل میں اس کی قدرشناسی کا جذبہ ہو، زبان سے اس کی افادیت کا اقرار ہو، اور ہاتھ اور پاؤں سے نعمتوں کے جواب میں ایسے افعال صادر ہوں جو عطا کرنے والے رتبہ کا اظہار کریں۔ شکر کی بلندی مراتب کی بڑی دلیل ہے، مراتب کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اسے اپنے ذکر کے قریب تر رکھا ہے یعنی جہاں اپنے ذکر کی فضیلت واضح کی ہے وہیں پر شکر کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔

الابریز کی روشنی میں شکر کا بیان:

احمد بن مبارک اسلجماسی المالکی بیان فرماتے ہیں کہ:

حضرت فقہیہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد العزیز دباغ سے سوال کیا کہ شکر اور مجاہدہ میں سے کون سا طریقہ افضل ہے؟ اس سوال کے الفاظ یہ ہیں:

سوال: سیدی اللہ پاک آپ سے راضی ہو اور آپ کو بھی راضی رکھے مشہور صوفی بزرگ ابو الحسن الشاذلی اور ان کے پیروکاروں کا امام غزالی اور ان کے پیروکاروں سے بنیادی اختلاف کیا ہے؟ کہ الشاذلی اس بات کے قائل ہیں کہ بغیر نعمتوں کا شکر کرنا چاہے اور خوش رہنا چاہے (یہی تصوف کی روح ہے) جبکہ غزالی کے نزدیک (تصوف نام ہے) ریاضت ومشقت کرنی چاہیے؟ الشاذلی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جب انسان مقام ولایت کے قریب پہنچ جائے تو اس وقت شکر کا طریق اختیار کرے یا نقطہ آغاز سے ہی شکر کا راستہ اختیار کرنا چاہیے کیا کوئی شخص دونوں طریقوں پر عمل پیرا ہو سکتا ہے؟ یا دونوں میں سے صرف کسی ایک طریقے کو اختیار کرنا زیادہ مضبوط ہو گا؟ تفصیلی جواب عنایت کریں۔

سیدی عبدالعزیز دباغ نے جواب دیا:

جواب: کہ شکر کا طریقہ کار بہتر ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہ السلام اور اکابر صحابہ نے اسی طریقے کو اختیار کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان خالص بندگی کے جذبات کے ہمراہ اللہ کی عبادت کرے اس کے دل میں کسی ذاتی مقصد کے حصول کی تمنا نہ ہو اور پھر وہ اس بات کا بھی معترف ہو کہ وہ بندگی کا حق ادا کرنے سے قاصر ہے۔ اور پھر ساری عمر یہی کیفیت طاری رہے اور اسی کیفیت کی بدولت ان حضرات کو فتح نصیب ہوئی۔

جب اہل ریاضت نے انہیں دیکھا کہ ان لوگوں کو فتح نصیب ہو گئی ہے تو ان کے دل میں بھی فتح کے حصول کی خواہش پیدا ہوئی اور پھر انہوں نے فتح کے حصول کے لیے کثرت صوم وصلوٰۃ، خلوت نشینی اور شب بیداری کا راستہ اختیار کیا اور اپنے نصیب کے مطابق روحانیت حاصل کی لہٰذا شکر کے راستے پر چلنے والے اپنے سفر کے آغاز ہی سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف جا رہے تھے۔ ان کی توجہ کا مرکز فتح یا کشف کا حصول نہیں تھا۔ اس کے برعکس ریاضت اختیار کرنے والوں کا مطمع نظر کشف کا حصول تھا۔

شکر اختیار کرنے والوں کے گروہ:

۱: پہلا گروہ دل کو اللہ کی طرف لے جا رہا تھا۔

۲: دوسرا طریقے پر گامزن شخص کو فتح نصیب ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اس کے حصول کی تمنا یا انتظار نہیں ہوتی، بلکہ وہ تو صرف گناہوں کی معافی مانگنے اور توبہ طلب کرنے میں مشغول ہوتا ہے۔

شکر اختیار کرے کا طریقہ:

یہ دونوں طریقے ٹھیک ہے لیکن شکر کا طریقہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں زیادہ اخلاص پایا جاتا ہے۔ یہ دونوں طریقے ریاضت پر زیادہ متفق ہیں۔ لیکن پہلا طریقہ دل کی ریاضت پر مشتمل ہے تاکہ دل کو مستقل حق کی طرف متوجہ رکھا جائے۔ تمام حرکات وسکنات اللہ کی رضا کے لیے ہوں اور کوئی لمحہ غفلت کا نہ ہو۔ اور شکر کے راستے میں یہی ریاضت ہے کہ دل ہمیشہ اللہ کی طرف متوجہ رہے خواہ ظاہری طور پر انسان کا وجود کسی عبادت میں مشغول نہ ہو۔(9)

شکر کے فوائد:

شکر ایک ایسی صفت ہے جس سے انسان کو دنیاوی اور اخروی دونوں فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

شکر کے فوائد مندرجہ ذیل ہیں؛

۱۔ نعمتوں میں اضافہ کا ہونا:

۲۔ رضائے الٰہی کا حصول:

۳۔ بہترین جزا:

۴۔ دنیا و آخرت میں عذاب سے بچاؤ:

5۔ کشف وسر کی حقیقت کا بیان

الابریز کی روشنی میں کشف کا مفہوم:

احمد بن مبارک السلجماسی المالکی فرماتے ہیں کہ:

"کشف حقیقت کے ایسے ظہور کو کہتے ہیں جس کا تعلق عالم مثال کے ساتھ نہ ہو جیسے ایک شخص خواب میں دیکھے کہ وہ دشمن پر غالب آگیا ہے تو اب خواب کی تعبیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن جب مثالی صورت میں یہ بات القاء کی جائے گی تو اسکی صورت یہ ہوگی کہ یہ شخص خواب دیکھے گا کہ اس نے سانپ کو مار دیا ہے تو اس کی دوسری صورت میں غالب آنے کو ایک علاقی شکل میں دکھایا گیا ہے اس لیے یہ خواب بغیر کا محتاج ہوگا لہذا انسان جب بیداری کی حالت میں کس علاقی شکل کے بغیر کسی چیز کا مشاہدہ کرتا ہے تو اسے کشف کہتے ہیں"(10)

الابریز کی روشنی میں کشف کی حقیقت:

احمد بن مبارک السلجماسی المالکی بیان فرماتے ہیں کہ:

میں نے حضرت عبدالعزیز دباغ سے کشف کے بارے میں دریافت کیا کہ اس کے بارے میں غور و فکر کرنا اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے غیب کے علم کی حیثیت کیا ہے؟

تو حضرت عبدالعزیز دباغ نے فرمایا: کشف اور اس جیسے دیگر کمالات دل کو اللہ تعالیٰ سے لاتعلق کر دیتے ہیں اور انسان کا باطن معرفت الٰہیہ سے دور ہو جاتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی بندہ اپنے دل میں اللہ کا تصور کرتے ہوئے اس بات کا پختہ یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے اور اپنی پسند کے مطابق کوئی بھی حکم دے سکتا ہے اس کے سوا کوئی دوسرا امور کی تدبیر نہیں کر سکتا۔ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک نہیں وہ اپنے بندوں پہ نہایت مہربان ہے۔ اور اپنے بندوں کی آرزو سے بڑھ کر عطا کرتا ہے اور ان کے گمان سے زیادہ ان پر رحمت کرتا ہے۔ اس کیفیت میں انسان پوری رضامندی کے ساتھ اپنے پروردگار کو اپنا کارساز سمجھنے لگتا ہے اور اپنے تمام امور میں اس کی ذات کو رہنما سمجھتا ہے۔ مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اپنی ذات کی ساری کنجیاں اور نگاہیں اسی کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ ہر معاملہ میں اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ایسی صورت میں انہیں ایسی چیزوں کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے جیسے کسی آنکھ نے نہ دیکھا ہوگا۔ کسی کان نے نہ سنا ہوگا اور نہ ہی کسی انسان کے ذہن میں انکا خیال آیا ہوگا۔ یہ فضل و کرم ہے۔ جو آقا و مولا اس بندے پر کرتا ہے اور یہ کیفیت اس شخص کی ہے جس کا دل اللہ کے ذکر سے معمور ہو۔ اس کے برعکس جس کا دل اللہ کی یاد سے غافل ہو اور اس پر مکمل غفلت چھا چکی ہو وہ صرف اپنے آپ کا اور اپنے اعمال کا مشاہدہ کرتا ہے یہ وہ شخص ہے۔ جو مذکورہ بلا امور (کشف وغیرہ میں) مشغول ہو کر غیب کی اطلاعات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ پوشیدہ چیزوں سے آگاہ ہو کر بہت سے فوائد حاصل کر سکے ایسی صورت میں اللہ اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔

ایسی صورت میں اس کی اپنی تدبیر ے اس کی بربادی کا باعث بنتی ہے۔ اس پر بلائیں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہے۔ امیدیں پوری نہیں ہوتی اور مقصد پورا نہیں ہوتا اس طرح کے لوگوں سے متعلق عام مشاہدات بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کی بدولت ہمیں اس سے محفوظ رکھے یہ اس شخص کے لیے ہلکی سی سزا ہے جو اپنے آقا و مولا سے منہ موڑ کر اپنی تقدیر پر راضی نہ ہو۔(11)

الابریز کی روشنی میں سر کی حقیقت:

احمد مبارک اسلجماسی المالکی فرماتے ہیں کہ:

میں نے حضرت عبدالعزیز دباغ سے دریافت کیا وہ اسرار کیا ہے؟ جو کتاب کے ظاہری وجود کے علاوہ ہوتے ہیں جنہیں فرشتے نکال کرلے جاتے ہیں۔

سیدی عبدالعزیز دباغ نے جوابا مجھ سے سوال کر دیا، وہ کیا چیز ہے۔ جو شہد کو اس نوعیت کی دیگر چیزوں سے ممتاز کرتی ہے؟ میں نے عرض کی مٹھاس آپ نے فرمایا: یہ خوبی اس کے ظاہری وجود سے الگ ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے؟ میں نے عرض کی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اسی طرح ہر کتاب کے مخصوص اسرار ہوتے ہیں جو اس کتاب کے ظاہری جسم سے الگ مستقل وجود رکھتے ہیں۔ جس طرح شہد میں سے مٹھاس نکال دی جائے تو وہ بے کار ہو جائے اسی طرح اگر کسی کتاب میں سے اسرار نکال دیئے جائے تو وہ بے فائدہ ہو جاتی ہے۔

حضرت عبدالعزیز دماغ نے فرمایا:

ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے ایسے اوراق زمین پر گرے ہوئے ہوتے ہیں جن پر اللہ کا نام تحریر ہوتا ہے۔ اور یہ اوراق لوگوں کے پیروں تلے بھی آجاتے ہیں اگر فرشتے ان اسماء کے اسرار نہ نکالے تو بہت سے لوگ اس بے آدبی کی وجہ سے ہلاک ہو جائے۔(12)

اسم جلالت (اللہ کے نام) کے اسرار:

احمد بن مبارک اسلجماسی المالکی بیان فرماتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ سیدی عبدالعزیز نے ارشاد فرمایا: اسم جلالت میں تین اسرار پائے جاتے ہیں:

1۔پہلا راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات بے شمار ہیں۔عام طور پر انسانوں،جنات اور حیوانات میں تقسیم کیا جاتا ہے لیکن اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مخلوقات ہے۔جن سے بہت سے لوگ واقف نہیں لیکن مخلوقات کی اس قدر کثرت کے باوجود اللہ تعالیٰ ہر کام میں خود حکم صادر فرماتا ہے اس کا کوئی وزیر نہیں ہے۔ہر معاملے خود ہی تصرف فرماتا ہے۔کوئی بھی چیز اس کے علم سے اوجھل نہیں ہے اور اس کی قدرت سے باہر نہیں اور وہ ہر ایک کا حاکم ہے اس کی حاکمیت ساری مخلوق کو گھیرے ہوئے ہے جیسا کہ:

2۔دوسرا راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کے مطابق اپنی مخلوق میں تصرف کرتا ہے۔وہ جسے غنی کر دے یا فقیر کر دے،عزت دے دے یا رسوائی دے دے۔گورا کر دے یا کالا،کسی سے حساب لے یا نہ لے،اپنی پسند کے مطابق ہر ایک کو کسی مخصوص مقام پر کر لے،اس کی شان بے انتہا ہے۔صرف اسی کو ہر بات کا اختیار ہے۔کسی بھی مخلوق کا کوئی ذاتی اختیار نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ پاک ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں ہے۔

3۔تیسرا راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ ہے اس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی،وہ کسی بھی مخلوق کی مانند نہیں ہے۔وہ عظیم اور زبردست ہے۔یہاں تک کہ اس کی ذات اور مخلوقات کے درمیان حجابات حائل نہ ہوں تو اس

تجلیات کے باعث ساری کائنات فنا ہو جائے۔ارباب بصیرت مخلوق کے مشاہدے کے بغیر ہی محض اسم جلالت کا ذکر کرنے سے ان تمام اسرار سے آگاہ ہو جاتے ہیں(13)

6۔شیخ و مرید کے آداب کا بیان(بیت ارشاد و تلقین)

دنیا کے ہر کام،ہر فن اور پیشہ کی طرح فن روحانیت یعنی سلوک الی اللہ طے کرنے اور حق کا قرب و معرفت حاصل کرنے کے لیے استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔علم تصوف کی اصطلاح میں ایسے روحانی استاد کو شیخ(مرشد)کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔جیسے خدا تک پہنچنے کے لیے پیغمبر کی ضرورت ہے،اسی طرح رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے کے لیے مرشد کی حاجت ہے۔اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ دنیا کسی بھی اہل اللہ سے خالی نہیں ہوتی۔آج بھی بندگان خدا ایسے ہیں جن کی ذات اور صفات سے ان مبارک سلسلوں(سلاسل)کی آبرو سے قائم ہے۔شیخ کا ادب و تعظیم مرید کو عاشق سے محبوب بنا دیتا ہے اور عاشق تو رہتا ہی امتحان میں ہے جب کہ محبوب کی تو فقط دل میں ہی خواہش پیدا ہو کر پوری ہو جاتی ہے۔سالک کو جتنی اپنے شیخ سے محبت ہے اسی قدر خدا سے محبت ہے۔منازل کا طے کرنا ایک مرشد کی توجہ اور تصرف سے وابستہ ہے۔اس کے بغیر کچھ نہیں بنتا۔

الابریز کی روشنی میں کامل مرید کی خصوصیات:

عبداللہ بن مبارک السلجماسی المالکی فرماتے ہیں کہ

سوال:ایک فقیہ نے سیدی حضرت عبدالعزیز دباغ سے سوال کیا کہ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے بارے میں یہ معلوم کر سکے کہ وہ مرید بننے کے لائق ہے یا نہیں؟اس کے لئے صالح شیخ یا نیک پیر بھائی کا تجربہ شرط ہے؟

جواب:سیدی عبدالعزیز نے جواب دیا انسان اپنی اہلیت کے بارے میں خود اندازہ لگا سکتا ہے،مثلاً وہ اس بات کا جائزہ لے کہ عام طور پر اس کے خیالات کی نوعیت کیا ہوتی ہے کیونکہ یہ خیالات اس کی فطرت سے مطابقت رکھتے ہوں گے اور انسان کا وجود ہمیشہ اپنے خیالات کی پیروی کرتا ہے۔لہٰذا جس شخص کے خیالات کا مرکز اللہ تعالیٰ کی محبت ہو اور اس کی عظمت شان کے بارے میں غور و خوض کرنا ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کا اس پر خاص فضل و کرم ہے۔اگرچہ ظاہری طور پر اس کا عمل ان کے خیالات کے مطابق نہیں ہے۔اگرچہ ایسا شخص اپنے خیالات کے برعکس عمل میں مشغول ہو پھر بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کی بدولت اسے ہدایت کے راستے پر گامزن کر دیتا ہے۔پھر اس کے بعد اگلا مرحلہ یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں موجود اس صلاحیت کے مختلف مراتب ہوتے ہیں جسے مردانگی اور بہادری میں کوئی کم ہوتا ہے اور کوئی زیادہ ہوتا ہیں

الابریز کی روشنی میں شیخ سے خالص محبت کا ہونا:

احمد بن مبارک السلجماسی بیان فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ سیدی عبدالعزیز دباغ نے ارشاد فرمایا اگر کوئی شخص ولایت یا سر کے حصول کے لیے شیخ سے محبت کرے یا شیخ کے علم،مہربانی یا اسی کی مانند کسی اور خوبی کی وجہ سے محبت کرے تو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔مرید بغیر کسی غرض لالچ کے شیخ سے محبت رکھے جیسے عام طور پر بچے ایک دوسرے کے ساتھ بغیر کسی غرض و لالچ کے محض پسندیدگی کے جذبات کی بدولت محبت رکھتے ہیں تو اس صورت میں اس مرید کی محبت اپنے شیخ کے ساتھ بے غرض ہو گی تاکہ اغراض و مقاصد سے متعلق محبت مرید کو شیطانی وسوسوں کا شکار نہ کر دے۔کیونکہ ان وسوسوں کے نتیجے میں بعض اوقات محبت ختم ہو جاتی ہے اور کبھی اس میں وقتی طور پر انقطاع آجاتا ہے۔

الابریز کی روشنی میں مرید کی شیخ سے محبت کی علامات:

احمد بن مبارک السلجماسی بیان فرماتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ میں نے حضرت سیدی عبد العزیز دباغ سے دریافت کیا، کیا محبت کی کوئی علامات اور نشانی بھی ہوتی ہے؟

تو آپ نے جواب دیا محبت کی دو نشانیاں ہیں:

۱۔ایک یہ کہ مرید کو صرف شیخ کی ذات سے سکون ہو مرید کی زندگی کا محور اس کے خیالات کا مرکز، خوشی اور غم سب شیخ کی ذات سے متعلق ہوں یہاں تک کہ محفل اور تنہائی ہر حال میں مرید کی تمام تر حرکات وسکنات اس کی اپنی زات کے بجائے اپنے شیخ کے کسی فائدے کی تکمیل کے لیے ہوں۔

۲۔دوسری علامت یہ ہے کہ دل میں شیخ کا ادب، احترام اس قدر زیادہ ہو کہ بالفرض شیخ کسی کنویں میں موجود ہو اور مرید پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہو تو محض شیخ کی تعظیم کے جذبات کے تحت مرید کو یوں محسوس ہو کہ گویا اس کا شیخ پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہے اور خود کنویں میں موجود ہے۔۔(14)

صوفیاء کے اقوال:

قطب ربانی امام عبد الوہاب شعرانی "آداب مرید کامل "میں فرماتے ہیں کہ

مرید کے لئے اولیاء کرام اور اپنے بھائیوں کے ساتھ ہمیشہ ادب کا طریقہ اختیار کرنا ضروری ہے اور اپنے نفس کو کبھی بے ادبی کے لئے چشم پوشی کا شکار نہ بنائے۔اس بارے میں صوفیاء کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔حضرت ابو علی دقاق فرماتے ہیں:

"بندہ اپنی عبادت کے ذریعے جنت تک پہنچ جاتا ہے لیکن جب تک عبادت میں ادب نہ ہو اپنے رب کی بارگاہ تک رسائی نہیں کر سکتا اور جو شخص اپنی عبادت میں ادب کا خیال نہیں رکھتا وہ اپنے رب سے ستر پردوں میں رہتا ہے۔آپ کسی چیز تکیہ یا دیوار وغیرہ کا سہارا نہیں لیتے تھے البتہ ضروریات کے وقت سہارا لیتے اور فرماتے تھے یہ بے ادبی ہے۔"

۲۔حضرت عبد اللہ بن جلاء فرماتے ہیں:

"جس شخص کو ادب حاصل نہیں اس کا شریعت اور ایمان کے ساتھ (کامل) تعلق نہیں۔"

۳۔حضرت ابن عطاء فرماتے ہیں:

"مرید اس وقت باادب نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیاء نہ کرے کہ صبح شام اس کے سامنے اپنے پاؤں نہ پھیلائے۔"

۴۔حضرت حریزی فرماتے ہیں:

"میں نے بیس سال سے تنہائی میں اپنے پاؤں نہیں پھیلائے۔"

۵۔حضرت امام شافعی فرماتے تے ہے کہ حضرت امام مالک نے مجھ سے فرمایا:

"اے محمد (امام شافعی کا نام ہے) اپنے علم کو نمک اور اپنے ادب کو آٹا بناؤ۔"(یعنی علم کم اور ادب زیادہ ہو)۔(15)

7۔آداب شیخ:

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نے اپنے مکتوبات میں شیخ کے آداب تحریر فرمائے ہیں یہاں ان آداب وشرائط کو مختصراً تحریر کیا جاتا ہے۔فرماتے ہیں کہ:

1۔مرید کو چاہئے کہ اپنے دل کو تمام اطراف سے پھیر کر اپنے پیر کی طرف متوجہ کرے۔اس کے حضور میں اس کے سوا کسی اور طرف توجہ نہ کرے حتیٰ کہ کسی دوسرے آدمی سے گفتگو نہ کرے۔

2۔پیر کی خدمت میں اس کی اجازت کے بغیر نوافل اور اذکار میں مشغول نہ ہو۔اس کے سامنے نماز فرض اور سنت کے سوا کچھ ادا نہ کرے۔

3۔ہاں تک ممکن ہو مرید ایسی جگہ بھی نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑے یا سایہ پر پڑے۔

4۔ پیر کے مصلے پر پاؤں نہ رکھے اور اس کے وضو کی جگہ طہارت (استنجا) نہ کرے۔

5۔ پیر کے مخصوص برتنوں کو استعمال نہ کرے، اس کے سامنے نہ پانی پیئے، نہ کھانا کھائے (سوائے اس کی اجازت سے)۔

6۔ مرید اپنے پیر سے کرامتیں طلب نہ کرے، اگرچہ وہ طلب دل میں وسوسہ اور خطرہ کی طرح ہی رہے۔ کیونکہ مومن کسی پیغمبر سے معجزہ طلب نہیں کرتا یہ کام کافر اور منکر لوگوں کا ہے۔

7۔ مرید کے لئے لازم ہے کہ اپنے اختیار کو مکمل طور پر پیر کے اختیار میں گم کر دے (جیسے مردہ غسال کے ہاتھوں میں ہوتا ہے

8۔ مرید اپنے شیخ سے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھے کیونکہ وہ مرید کے جملہ افعال و اعمال کا نگران ہوتا ہے۔

9۔ مرید کو اگر خواب میں کسی اعمال کا اشارہ ہو تو فوراً اپنے شیخ کی طرف رجوع کریں۔ محض خواب پر بھروسہ نہ کرے کیونکہ کبھی شیطان بھٹکانے کے لیے عمدہ باتوں کی تلقین کرتا ہے۔

10۔ اپنے شیخ کے راز کو کبھی کسی پر ظاہر نہ کرے کیونکہ دوست کا راز افشاء کرنا وفا کے خلاف ہے۔

شیخ بمقام والد

احمد بن مبارک "الابریز" میں بیان کرتے ہیں کہ:

سیدی عبد العزیز دباغ کے مریدین میں ایک صاحب پہلے کسی اور بزرگ کے معتقد تھے، اور اکثر انکی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ جب ان بزرگ کا انتقال ہو گیا تو ان صاحب نے یہ طے کیا کہ اب میں کسی اور بزرگ کے پاس نہیں جاؤ گا کیونکہ ان کے خیال میں کوئی اور بزرگ ان کے مرحوم پیر سے زیادہ کامل نہیں ہو سکتا۔

لیکن پھر ایک مرتبہ انکی ملاقات اتفاقاً سیدی عبد العزیز دباغ سے ہوئی۔ (یہ صاحب کہتے ہیں) میں کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا کہ اس کی بزرگ سے محبت ختم ہو گئی حالانکہ بظاہر کوئی ایسی وجہ سامنے نہیں آئی جس کی وجہ سے بزرگ سے والہانہ محبت ختم ہو جاتی۔ اس کے بعد مجھے کبھی اس بزرگ کی قبر کی زیارت کا موقع نہیں مل سکا۔

ایک دن میں سیدی عبد العزیز دباغ سے دریافت کیا، میرے ساتھ ایک عجیب معاملہ پیش آیا ہے۔ انہوں نے سارا واقعہ بتایا اور پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟

سیدی عبد العزیز دباغ نے جواب دیا:

وہ بزرگ واقعی صوفی تھے اور تمہیں ان سے واقعی محبت تھی مگر ایک ایسی محبت نہیں تھی جس کی بدولت تمہیں خاص فیض حاصل ہوتا۔ اس کی مثال ہم یوں بیان کر سکتے ہیں:

کہ ایک بچہ اپنے والد سے بچھڑ گیا اور کسی اور شخص نے اسے اپنا لیا۔ یہ بچہ اس دوسرے شخص کو بھی والد کہہ کر مخاطب کرتا ہے اور اپنے سگے والد کی طرح اس سے محبت کرتا ہے۔ سات برس کے بعد اسکا سگا باپ آجاتا ہے اور کچھ دیر بچے کے ساتھ کھڑا رہتا ہے۔ تو صرف اتنی سی بات ہے اس بچے کی تمام تر توجہ اپنے سگے باپ کیطرف مبذول ہو جاتی ہے۔ اور اب اس کی توجہ کا مرکز وہ شخص نہیں ہو گا جس نے اس کی پرورش کی تھی۔ حالانکہ اس کے پہلے وہ اسی شخص کو اپنا باپ سمجھتا تھا۔

(وہ صاحب فرماتے ہیں) حضرت کی یہ مثال سن کر میرے دل میں پہلے بزرگ کی محبت ختم ہو گئی۔ (16)

سیدی عبد العزیز دباغ کا تصرف قبل از وصال:

احمد بن مبارک السلجماسی بیان فرماتے ہیں کہ:

سیدی عبد العزیز دباغ کے مریدین کی یہ کیفیت ہے کہ وہ کسی اور بزرگ کی طرف آنکھ بھر بھی نہیں دیکھتے بلکہ کچھ لوگ تو کسی اور بزرگ کی طرف جانا جرم سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے یہ واقعہ سنایا کہ:

میں اکیلے آرہا تھا، راستے میں کچھ دوست مل گئے جو صوفی بزرگ سیدی قاسم ابو عسریہ کی درگاہ کی زیارت کے لیے جا رہے تھے۔ انہوں نے مجھے بھی دعوت دی اور مروتاً میں بھی ان کے ساتھ مل پڑا۔ جب ہم ان کی درگاہ کے قریب پہنچے تو میرے پیٹ میں شدید درد اٹھا اور میں درگاہ سے متصل احاطہ میں بیٹھ گیا۔ اور وہیں ساری رات گزار دی۔ مجھے قبر مبارک کی زیارت بھی نصیب نہیں ہو سکی۔ اگلے دن صبح کے وقت جب ہم روانہ ہوئے تو وہ درد ختم ہو گیا۔ اسی طرح کا واقعہ ایک مرتبہ پھر پیش آیا کہ مجھے اندازہ ہوا کہ یہ سیدی عبد العزیز دباغ کا تصرف ہے۔ (17)

8۔ وجد کا بیان

وجد ایک ایسا روحانی جذبہ ہے جو اللہ کی طرف سے باطن انسانی پر وارد ہوتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں خوشی یا غم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ وجد تصوف و سلوک میں استعمال ہونے والی ایک خاص اصطلاح ہے جو ذکر و نعت کے وقت طاری ہوتی ہے یہ کیفیت عموماً اولیاء کاملین کی محافل اور صحبت کا خاصہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت تصور کیا جاتا ہے۔

الابریز کی روشنی میں وجد کا سبب:

احمد بن مبارک بیان فرماتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ ایک صاحب نے دریافت کیا بعض اوقات کچھ لوگ (وجد کے عالم میں) مضطرب ہو جاتے ہیں اور چیخنے چلانے لگتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ سائل کے بقول اس کی اپنی یہی کیفیت ہے کہ بعض اوقات ذکر و عبادت کے دوران ہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ اس بات سے خوفزدہ ہے کہ کہیں شیطان کی فریب کاری نہ ہو اور اس نے یہ بھی ذکر کیا کہ جب وہ دنیاوی امور کی طرف متوجہ ہو جائے تو یہ کیفیت زائل ہو جاتی ہے۔

سیدی عبدالعزیز دباغ نے ارشاد فرمایا:

بعض اوقات روح اپنے اندر موجود نور کا فیض ذات پر ڈالتی ہے اس وقت جسم پر اضطراب کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات یہ کیفیت نیکی کا کام کرتے وقت طاری ہوتی ہے، اور کبھی گناہ کے ارتکاب کے وقت بھی طاری ہو جاتی ہے۔ اگر گناہ کے ارتکاب کے وقت کسی شخص پر یہ کیفیت طاری ہو جائے تو وہ گناہ کے ارتکاب سے باز آجاتا ہے کیونکہ اس وقت روح اپنے نور کا فیض جسم پر ڈالتی ہے جس کے نتیجے میں جسم پر خشیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ اللہ کی ذات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

سیدی عبدالعزیز دباغ نے مزید فرمایا:

"اگر اطاعت کے عالم میں یہ کیفیت طاری ہو تو انسان کو ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہ کیفیت اس کی عبادت و ریاضت کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے کیونکہ اس طرح وہ خود پسندی کا شکار ہو جائے گا۔ انسان کو اپنے نفس کو تنبیہ کرنا چاہیے کہ اگر یہ کفیت عبادت کا نتیجہ ہوتی تو عبادت کے علاوہ کبھی بھی طاری نہ ہوتی۔ جبکہ در حقیقت ایسا نہیں ہے۔ روح کی طرف سے جسم کو حاصل ہونے والے اس نور کی مثال لگام کی مانند ہے۔ جب یہ روح دیکھتی ہے کہ جسم صحیح راستے سے بھٹک رہا ہے اور اس کے گمراہ ہونے کا اندیشہ موجود ہے تو اس وقت یہ نور جسم پر ظاہر ہوتا ہے۔ تاکہ صحیح راستے کی طرف رہنمائی کرے۔ یہ کیفیت بھی ہدایت کے حصول کا ایک بنیادی سبب ہے۔ لیکن جن لوگوں کے نصیب میں ہدایت نہ ہو۔ ان کے لیے یہ کیفیت ظلمت بن جاتی ہے۔ جو انہیں راہ حق سے بھٹکا کر نبی اکرم ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری سے باز رکھنے کا باعث بنتی ہے۔ ہر شخص کے اندر ایک خاص روشنی ہوتی ہے جو اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ اگر یہ روشنی انسان کو صحیح راستے پر گامزن کر دے تو نہایت مناسب ہے اور اگر یہ روشنی انسان کو بے راہ روی کا شکار کر دے تو انسان ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے۔"(18)

وجد کی اقسام:

پیر غوث الاعظم سر الاسرار میں فرماتے ہیں کہ:

وجد دو طرح کا ہوتا ہے:

۱۔ جسمانی وجد

۲۔ روحانی وجد

۱۔ جسمانی وجد:

جسمانی وجد نفسیاتی ہوتا ہے۔ جو جسمانی قوت (شہوات) کے ساتھ تحریک میں آتا ہے اور شوق (عشق حقیقی اور دیدار الٰہی کی چاہت) کے بغیر (پیدا ہونے والا) روحانی غلبہ محض ریا، بناوٹ اور شہرت کے لیے ہوتا ہے اور وجد کی یہ قسم بلکل باطل ہے۔

۲۔ روحانی وجد:

روحانی وجد وہ ہے جو شوق کی قوت کے ذریعے تقویت کا باعث ہے اور اچھی آواز میں کی گئی قرات قرآن یا موزوں شعر یا پر اثر ذکر سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس سے جسم میں قوت اور اختیار باقی نہیں رہتا۔ یہ وجد روحانی ہے اور اس کی موافقت اختیار کرنا مستحب ہے۔ اس وجد کی طرف اللہ کے اس فرمان کیطرف اشارہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ(19)

اور جو لوگ شیطانوں کو پوجنے سے بچتے رہے اور اللہ کی طرف رجوع ہوئے ان کے لیے خوشخبری ہے، پس میرے بندوں کو خوشخبری دے دو۔

اَلَّـذِيۡنَ يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَيَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ ؕ اُولٰٓـئِكَ الَّـذِيۡنَ هَدٰٮهُمُ اللّٰهُ‌ وَاُولٰٓـئِكَ هُمۡ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ (20)

جو توجہ سے بات کو سنتے ہیں پھر اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں، یہی ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت کی ہے، اور یہی عقل والے ہیں۔

اسی طرح عشاق اور روحانی طیور کی آوازیں اور پر معانی صدائیں سب روح کی قوت کا باعث ہے اور اس قسم کے وجد میں نفس اور شیطان مداخلت نہیں کر سکتے کیونکہ شیطان نفسانی ظلمات میں تو تصرف کر سکتا ہے مگر رحمانی نورانیت میں نہیں۔(1)

روحانی وجد میں دو طرح کی حرکات ہوتی ہیں:

۱۔نوع اختیاری

۲۔نوع اضطراری

نوع اختیاری:

اختیاری حرکات اس انسان کی حرکات کی مانند ہے۔ جس انسان کے جسم میں نہ کوئی غم ہے اور نہ ہی کوئی مرض اور بیماری اس قسم کی سب حرکات غیر شرعی ہے۔(کیونکہ یہ انسان نفس کی خواہش کے تحت خود اختیار کرتا ہے)

نوع اضطراری:

اضطراری حرکات وہ ہیں جو کسی سبب مثلاً قوت روح سے حاصل ہوتی ہیں اور نفس ان کے پیدا کرنے کی قوت نہیں رکھتا، کیونکہ یہ حرکات جسمانی حرکات پر غالب ہوتی ہے۔ جیسے جب بخار کی حرکات غلبہ پاتی ہے تو انسان ان (حرکات) کا متحمل ہونے سے عاجز آجاتا ہے۔ اور ان حرکات پر بے اختیار ہو جاتا ہے۔ لیکن جب روحانی حرکات غالب آتی ہے تو وہ وجد روحانی اور حقیقی ہو جاتا ہے وجد سماع وہ آلات ہیں جو عشاق اور عارفین کے دلوں کو متحرک رکھتے ہیں اور محبین کی غذا اور طالب کی (باطنی) قوت کا باعث بنتی ہے۔(21)

حاصل کلام:

اللہ کی محبت کا حصول ایسا لطف ہے جس کے سامنے دنیا و مافیہا کے سارے تعیشات و لطف ختم ہو جاتے ہیں۔ جب کسی کو محبت الٰہی اور محبت رسول ﷺ کا سرور نصیب ہو جاتا ہے تو اس کو قدرت الٰہیٰ سے ایسا سرور و مستی اور کیف حاصل ہوتا ہے۔ کہ وہ ہر چیز سے بے خبر ہو کر خودی میں محو ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عبادت خالص اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ اس میں کسی قسم کی نمود و نمائش کی جائے تو اس میں اخلاص نہیں رہتا ایسی عبادت صرف دیکھاوا ہوتی ہے۔ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق عبادت کرتا ہے کوئی کم کرتا ہے تو کوئی زیادہ، عبادت وہی مقبول و قبول ہوگی جس میں تقویٰ، اخلاص اور خشیت الٰہیٰ ہو گا۔ ہر کام میں اللہ کی رضا شامل ہو۔ اسی طرح صبر انسان کی اجتماعی زندگی پر اثرات مرتب کرتا ہے ۔ قوموں کی تاریخ میں اچھے برے حالات آتے رہتے ہیں۔ ایسی قومیں جو مشکل حالات کا مقابلہ جوانمردی سے نہیں کر پاتیں وہ بہت جلد تباہ و برباد ہو جاتی ہیں، اور ان کا نام و نشان مٹ جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو اقوام حوصلے اور ہمت سے کامران ہوتی ہے اور ان کی استقامت کا صلہ انہیں کامیابی کی صورت میں ملتا ہے۔ زندگی کے معاملات میں شکر گزاری کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ تاکہ ہم سے ہمارا رب راضی ہو کر اور نوازے اور وہ ہم سے راضی ہو۔ اگر شکر گزاری کو ہم اپنی زندگیوں کا حصہ بناتے ہیں تو یہ ہماری عادت سانسوں کا حصہ بن جائے گی۔ اور زندگی مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود مسکرائے گی۔ اسی طرح روحانیت میں کشف ایک ایسی صلاحیت ہے جس کی بدولت اس صلاحیت کا حامل کائنات میں کسی بھی جگہ ٹھہر کر سیر کر سکتا ہے۔ کشف کے ذریعے، کشف کرنے والے فرشتے، پیغمبروں اور ولیوں سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ کشف کرنے والوں کو کھلی یا بند آنکھوں سے کشف کرنے پر قادر ہوتا ہے تاہم یہ کشف کرنے والے کے مراتب د مقامات پر منحصر ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد اعلی بارگاہ اقدس میں ہی پہنچنا ہے لیکن چونکہ مرید شروع میں بہت سے تعلقات سے وابستہ ہونے کی وجہ سے انتہائی میلے پن اور پستی میں ہوتا ہے۔ جبکہ ذات باری تعالیٰ انتہائی پاکیزہ ہے۔ اس لیے فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کے لیے طالب اور مطلوب کے درمیان جو مناسبت چاہیے موجود نہیں لہٰذا اس کے راستے سے باخبر اور راستے کو صحیح دیکھنے والے پیر کامل کے سوا کوئی چارہ نہیں جو درمیان میں واسطہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے قرب اور عام انسانوں سے رابطہ رکھتا ہو تاکہ وہ مطلوب کے ساتھ طالب کے وصول کا ذریعہ بنے۔ جب لوگوں کو یہ نسبت حاصل ہوتی ہے۔ ان میں سے اکثر سماع و وجد پر فریفتہ ہوتے ہیں۔ ان میں سے جو فنا و بقاء کے مقام پر سرفراز ہوتے ہیں ان پر نسبت وجد سے ایسے حقائق و معارف کا فیضان ہوتا ہے کہ زبان ان کو ادا کرنے سے قاصر ہے۔

[1] ۔ابوالحسن الشنطوفی،امام،بہجتہ الاسرار،ص:۳۲۴،گنج شکر پرنٹرز،لاہور،۱۹۹۵ء

[2] ۔احمد بن مبارک، شیخ،الابریز،ص:۳۷۵

[3] Lecture of Dr Muhmmad Tahir UL Qadri۔

[4] forummonaddis.com۔

[5] ۔احمد بن مبارک، شیخ،الابریز،ص:372

[6] ۔التوبہ۹:۷۲

[7] ۔محمد طاہر القادری، شیخ الاسلام، تذکرے اور صحبتیں، ص،۹۱

[8] ۔احمد بن مبارک، الشیخ،الابریز،ص،201

[9] ۔احمد بن مبارک، شیخ،الابریز،ص:۴۱۹

[10] ۔احمد بن مبارک، شیخ،الابریز،ص،۴۸۹

[11] ۔ احمد بن مبارک، شیخ،الابریز،ص:۳۶۶

[12] ۔ احمد بن مبارک، شیخ،الابریز،ص:۳۹۰

[13] ۔ احمد بن مبارک، شیخ،الابریز،ص ۳۹۱

[14] احمد بن مبارک، شیخ،الابریز،ص:۴۷۳

[15] ۔عبدالوہاب شعرانی، قطب ربانی،امام،مترجم(شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی)، آداب پیر کامل،ص۵۹-۵۸،مکتبہ اعلیٰ حضرت،لاہور،۲۰۱۴

[16] عبداللہ بن مبارک، شیخ،الابریز،ص:۴۷۴

[17] عبداللہ بن مبارک، شیخ،الابریز،ص:۴۷۵

[18] احمد بن مبارک، شیخ،الابریز،ص:۳۶۰ .

[19] القرآن،۱۷:۳۹

[20] القرآن،۳۹:۱۸

[21] عبدالقادر جیلانی، غوث الاعظم، مترجم(احسن علی سہروری قادری)، سرالاسرار،ص:۲۴۶